

شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تصانیف (تجزیہ و تعارف)

مولانا نایاب حسن قاسمی

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان کے سیاسی، علمی، تہذیبی و فکری منظر نامے پر جن قدر آدرشخصیات نے اپنے فکر و نظر، جہد مسلسل اور اخلاق و کردار کے تابناک نقوش مرتب کیے اور ہم عصر ہندوستانیوں سے اپنی گونا گوں خوبیوں، امتیازات اور خصوصیات کا لوہا منوایا، ان میں ایک انتہائی با عظمت نام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا بھی ہے جنہیں ان کے قدر دانوں نے بہ جا طور پر ”شیخ الاسلام“ اور ”شیخ العرب والعجم“ جیسے وقیع القاب سے نوازا۔ اسلامی علوم میں ان کی گہرائی و گیرائی، بطور خاص علوم حدیث میں ان کی متخصصانہ شان اور اس حوالے سے عرب و عجم کے وسیع تر دائرے میں ان کی خدمت و شہرت، ملکی و عالمی سیاست و تاریخ کے مد و جزر سے ان کی بصیرت مندانہ واقفیت، اسرار و رموز دینی کے معاملے میں ان کی تدریسی و درودی مبنی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں ان کی بے پناہ قربانیاں اور اس راہ میں ان کی ضرب الشل جاں فروشی، بے خوفی اور جرات و بے باکی، کسر نفسی، خلوص کامل اور ایثار جیسے نبوی صفات میں ان کی یکتائی و انفرادیت اسی کی متقاضی تھیں۔

بلاشبہ حضرت شیخ الاسلامؒ نہ صرف اپنی اُس عظیم الشان درس گاہ کے علمی فیضانات کے حسین پرتو تھے، جو اپنے قیام سے لے کر آج تک عالم اسلام میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ممتاز شناخت رکھتی ہے، بلکہ وہ اس تحریک جہد و جہاد کے بھی جاں سپار رکن تھے، جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد و اتحاد سے شروع ہوئی اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ، فقیہ انفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور بلند فکر، مردم ساز، عبقری شان کے مالک شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے راستے ان تک پہنچی تھی، وہ اپنے وقت میں عظیم الشان عالم دین اور محرم اسرار نبوت بھی تھے، بے باک اور سرب کف مجاہد بھی، تصوف و سلوک کے امام بھی اور اخلاق و اقدار اسلامی کے عظیم ترین قدردان اور ان کا پیکر محسوس بھی۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ یا تو

ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی سرگرمیوں میں گزرا یا دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس سے تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرنے میں یا پھر اپنے مستبکین و معتقدین کی روحانی و اخلاقی تربیت میں، یہی وجہ ہے کہ بے پناہ صلاحیتوں کے باوصف ان کی تصنیفی خدمات بہت کم ہیں، ان کے قلم کو خاطر خواہ جولانیوں کا موقع ہی کب میسر آیا؟ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے قلم سے جو بھی تحریریں معرض وجود میں آئیں، وہ نہ صرف علمی و تاریخی نکتہ طرازیوں کا اعلیٰ نمونہ ہیں، بلکہ وہ ادبی و لسانی خوبیوں کے حسین شہ پارے بھی ہیں۔ مولانا کے رشحاتِ قلم میں خود نوشت سوانح ”نقشِ حیات“ کے علاوہ ”اسیرِ مالٹا“، ”متحدہ قومیت اور اسلام“، ”کتوباتِ شیخ الاسلام“، ”مودودی دستور و عقائد کی حقیقت“، ”ایمان و عمل“ اور ”سلاسلِ طیبہ“ ہیں، جب کہ جمعیتِ علمائے ہند کے مختلف اجلاس میں پیش کیے گئے صدارتی خطبات کا مجموعہ ”خطباتِ صدارت“۔ ذیل میں حضرت مدنی کی تصانیف کا تعارف و تجزیہ پیش ہے۔

(۱) نقشِ حیات:..... یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۵۳ء / (۷۲-۱۳ھ) میں دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر اسے یکجا کر دیا گیا اور اب یہ ایک ہی جلد میں دستیاب ہے، اس وقت سے لے کر اب تک اس کے بے شمار ایڈیشن ہندوپاک کے مختلف مکتبوں سے چھپ چکے ہیں، یہ کتاب اپنے آپ میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے، یہ صرف مولانا کی سوانح ہی نہیں، بلکہ اس وقت کی عالمی سیاست میں برپا ہونے والے بیانات کا علمی، منطقی و تاریخی تجزیہ بھی ہے، اس کو لکھنے کی وجہ آپ کے شاگردوں اور نیاز مندوں کا غیر معمولی اصرار ہے، جو چاہتے تھے کہ خود آپ کے قلم سے آپ کے حالاتِ زندگی مرتب ہو کر آجائیں تاکہ بعد والوں تک آپ کی زندگی کا صحیح ترین نقشہ پہنچ جائے اور وہ ان حالات سے بھی بہ خوبی واقف ہو جائیں، جن سے آپ، آپ کے اساتذہ گرامی (حضرت شیخ الہندؒ) اور بیسویں صدی کے مسلمان گزرے اور ان کے سامنے ان قربانیوں کی سچی جھلکیاں بھی آجائیں، جو اسلامیانِ ہند نے آزادیِ وطن کی خاطر پیش کیں اور کسی بھی قسم کی بزدلی، کم ہمتی کو آڑے نہ آنے دیا، یہ جلد ملت مولانا حافظ الرحمن سیوہارویؒ اس کتاب کے ”تعارف اور وجہ تالیف“ کے تحت لکھتے ہیں:

”۱۹۴۲ء میں جب آپ نئی تال جیل میں قید و بند کی زندگی بسر کر رہے تھے، تو بعض خدام اور بے تکلف احباب نے آپ سے سوانحِ حیات قلم بند کرنے کی درخواست کی تاکہ اس طرح اکابرِ امت مرحومہ کے اس اسوہ کا بھی اتباع کامل ہو جائے، جس کو امامِ اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مقدس اساطین نے اپنے اخلاف کے لیے یادگار چھوڑا ہے، اول اول آپ نے انکار کیا، لیکن جب عرض و گزارش نے اصرارِ پیہم کی شکل اختیار کر لی، تب مجبور ہو کر قلم اٹھایا اور اپنی زندگی سے متعلق چند صفحات لکھ دیے، مگر جنبشِ قلم جب اس موڑ پر پہنچی، جہاں سے وہ اپنے مقدس اساتذہ شیخ طریقت حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کا رفیق بن کر میدانِ سیاست میں گام زن ہوئے تھے، تو اس کے سامنے سب سے اہم اور واقع مسئلہ یہ پیش آیا کہ آخر شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کے کارنے یورپین اقوام خصوصاً انگریزی اقتدار کی

مخالفت میں سیاست کی پُرشور اور ہنگامہ آرا زندگی کیوں اختیار کی؟..... چنانچہ حضرت مصنف کے سامنے یہ سوال سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ آیا، یہ پوری جلد، جو آپ کے سامنے ہے، اس کا بیش تر حصہ اسی سوال کا مدلل جواب ہے، دوسری جلد میں قطب العالم، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی سیاسی تحریک کے وہ گوشے، جو اب تک پردہٴ خفا میں تھے اور رولٹ کمیٹی کی تحقیقاتی رپورٹ بھی جن کو بے نقاب نہیں کر سکی تھی، ان کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ (۱)

اور خود صاحب سوانح رقم طراز ہیں:

”عرصہٴ دراز سے احباب مجھ سے میری سوانح عمری کی مختلف باتیں دریافت فرماتے رہتے تھے، حسب موقع جواب دیتا رہتا تھا، بعض احباب نے مختلف اخباروں اور رسائل میں ان کو شائع بھی کر دیا، مگر افراط و تفریط اور زیادتی و کمی سے وہ مضامین خالی نہیں رہے اور بعض چیزیں غلط بھی شائع ہوئیں، جن کے تذکرے پر اصرار کیا گیا کہ صحیح واقعات قلم بند کر دیے جائیں، بالآخر ۱۹۴۲ء میں نظر بندی کی نوبت آئی اور جب کہ میں نئی تال جیل، الہ آباد میں تھا، تو اس کی پرزور تحریک ہوئی اور کہا گیا کہ اس وقت تو تجھ کو بہت سی مصروفیات سے نجات حاصل ہے، اس کو فہمیت جان کر اس مہم کو پورا کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں علاوہ تاریخی واقعات کے تذکرے کے آنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور مشعلیتِ راہ بھی ہے

اور نمائے الہیہ کی تحدیث کی عمدہ صورت بھی۔“ (۲)

کتاب کے شروع میں آپ نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں، جن میں آپ کے خاندان اور سلسلہٴ نسب کا بھی مفصل اور سیر حاصل تذکرہ ہے، پھر اپنی ابتدائی تعلیم کے واقعات، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حصول تعلیم کی تفصیلات اور اساتذہ کا ذکر خیر ہے، اس ذیل میں آپ نے ان تمام شخصیات کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے کسی نہ کسی عنوان سے آپ کو متاثر کیا۔ مولانا نے اس کتاب میں اپنے فن کی خاص رعایت کی ہے، اپنے تعلق سے لکھتے وقت ان نکات و احوال کو خصوصی طور پر مد نظر رکھا ہے، جو قاری کی نگاہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں، سوانح نگاری اور بالخصوص خودنوشت سوانح نگاری ادب کی انتہائی نازک صنف مانی جاتی ہے، خودنوشت سوانح نگار کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ماڈل بنا کر پیش نہ کرے، کہ اس کی تحریر خود ستائی و خود نمائی کا مرقع بن کر رہ جائے؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھ جیتے ہوئے حادثات و واقعات کو بغیر کسی تحفظ کے جوں کا توں بیان کرے، تاکہ اس کی شخصیت کا واقعی سراپا قاری کے سامنے کھل کر سامنے آجائے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ اس فن کی روح کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے؛ بلکہ اس قسم کی سوانح حیات قابلِ اعتناء نہیں سمجھی جاتی، مولانا کو اس حقیقت کا کامل ادراک تھا، اس لیے آپ کے قلم کی روش پوری طرح فن کی مقتضیات کو پورا کرتی ہے، آپ کہیں بھی یہ ایہام نہ ہونے دیتے کہ سوانح نگار اپنے وقت کا ایک

زبردست عالم، محدث، مرشد اور مجاہد ہے، بلکہ آپ اپنے کو ایک عام آدمی کی طرح پیش کرتے ہیں، جس کی زندگی کا آغاز ایسے ہی ہوا، جیسے کہ دیگر لوگوں کی زندگی کی شروعات ہوتی ہے، اس کا اندازہ آپ کے بچپن کے اس واقعے سے بہ خوبی ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

”مجھ کو ہوش و حواس جب آئے، تو میں نے اپنے آپ کو نانڈہ میں پایا، باگرمسو (جہاں آپ کی پیدائش ہوئی تھی) بالکل یاد نہیں، والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا غیر معمولی اور بہت زیادہ خیال تھا اور اس کے لیے والد مرحوم بہت زیادہ سختی کرتے تھے، اس لیے مجھ کو کھیلنے کا موقع آزادی کے ساتھ صرف چار برس کی عمر تک ملا ہے، جب اس عمر کو پہنچا، تو گھر میں والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی، اس کے بعد سپارہ پڑھنا پڑتا تھا، صبح ساڑھے نو بجے تک تو یہ قید اور پڑھائی گھر میں ہوتی تھی اور ساڑھے نو بجے کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول جانا پڑتا تھا، اسکول اللہ داد پور سے تقریباً ایک میل یا اس سے کچھ زائد دوری پر ہے، اسکول کی تعلیم میں بھی مدرسین اس زمانے میں خوب مار پیٹ کرتے تھے۔“ (۳)

اس اقتباس سے حضرت کے گھر کے علمی ماحول اور والدین کی اولاد کی بہترین علمی و اخلاقی تربیت سے غیر معمولی دلچسپی کا احساس ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں ماحول اور وراثت دونوں اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے اپنی سوانح اس انداز سے پیش کی کہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ سوانح نگار کس حد تک وراثت کا منٹ کش ہے اور اس کی نشوونما میں کس حد تک ماحول اور گرد و پیش کی کارفرمائی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ ماحول اور وراثت دونوں ایک حد تک ہم آہنگ بھی ہیں اور بہت حد تک ان میں ایک دوسرے سے بے گانگی بھی ہے، سوانح نگاروں کا ایک حلقہ وراثت کی زیادتی تاثر پر زور دیتا ہے، جب کہ دوسرا حلقہ ماحول کو شخصیت کی تعمیر میں زیادہ اثر انداز مانتا ہے، اگرچہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وراثت اور ماحول دونوں تعمیر و تشکیل شخصیت کے جوہری عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان دونوں کے ساتھ خود شخصیت کے اندر بھی ایک خاص عنصر ہوتا ہے، جو خالص مذاقی یا انفرادی نوعیت کا اور جس کے بغیر کسی بھی ذات کی تعمیر نقطہ کمال کو نہیں پہنچ سکتی، یہی وہ مقام ہے جس سے اگر صاحب سوانح صحیح طور سے عہدہ برآئے ہو سکے، تو وہ اپنے راستے سے جھٹک جاتا ہے اور پھر اس کا قلم مختلف وادیوں میں قلابازیاں کھاتا اور اس کی تحریریں افراط و تفریط کی تتکناہیوں میں الجھ کر رہ جاتی ہیں، مولانا نے اس مقام پر بھی فنی نزاکتوں کو مکمل طور پر محسوس کیا اور کہیں بھی اس فن کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے اور اپنے مخصوص انداز بیان میں اس منزل کو اس خوبی سے سر کیا ہے کہ وہ پڑھنے والے کی دلچسپیوں کا باعث بن گئی ہیں۔

شروع میں یہ عرض کیا گیا کہ ”نقش حیات“ صرف مولانا کے احوال زندگی کی دستاویز ہی نہیں، بلکہ یہ اس دور کی سیاسیات و معاشرت کی مشاہداتی، تجرباتی و مطالعاتی تاریخ بھی ہے، اس لیے جب ہم اس کتاب کے اس حصے کا مطالعہ

کرتے ہیں، جس میں انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے، تو ہمارے سامنے اس وقت کے - سیاسی اتار چڑھاؤ کا مکمل نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور ان پر آپ کی گہری نظر کا بھی مکمل احساس ہوتا ہے۔

سوانح نگار اگر چاہے تو کسی معمولی سے واقعے کو پھیلا کر اسے ایک مکمل کتابی شکل میں پیش کر سکتا ہے، لیکن یہ وصف کوئی پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا، ضرورت سے زیادہ تحریر کے پھیلاؤ سے پڑھنے والا اکتا جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس کتاب کو از ابتدا تا انتہا پڑھ ڈالنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے اور اگر اسے ختم کر بھی لیا جائے، تو قاری کے لیے کچھ بھی نہیں پڑتا اور اس کا دماغ جوں کا توں خالی رہ جاتا ہے، لیکن ”نقش حیات“ میں یہ نقص کہیں بھی پایا جاتا، اس کے مطالعے سے قاری کے احساس و شعور میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ صاحب سوانح نے بڑے بڑے اور اپنے پہلو میں تاریخ کی تہ بہ تہ پر تیں رکھنے والے واقعات کو بھی انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں بھی کتاب کے مرکزی خیال سے انحراف کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، کتاب کے بعض حصوں میں ایسے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں، جو اپنے دامن میں دراز نفسی لیے ہوئے ہیں، مگر ان کو اس خوش سلیقگی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ طوالت بھی ان کے قلم کی ایک خوبی اور بیان پر ان کی مہارت کی واضح دلیل بن گئی ہے۔

”نقش حیات“ میں کہیں بھی کسی قسم کی پیچیدگی، انکاؤ اور الجھاؤ نہیں ہے، مولانا اپنی عملی زندگی میں خواہ مخویہ معاشرتی، جس طرح اچلے کیریکٹر اور شفاف و واضح کردار کے انسان تھے، ان کی زندگی کا ہر گوشہ ہر زاویے سے کھلی کتاب کی مانند تھا، جسے ہر شخص بہ آسانی محسوس کر سکتا تھا، اسی طرح ان کی تحریریں بھی اپنے مظاہر اور معنویت کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں، انھوں نے جس مسئلے پر بھی قلم اٹھایا ہے، پوری باریک بینی، ژرف نگاہی کے ساتھ اٹھایا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے عمل و کردار کی طرح ان کی نگارشات میں بھی بھرپور سادگی اور وضاحت ہے، محشر اعظمی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

”نقش حیات میں کسی جگہ الجھاؤ نہیں ملتا، مولانا نے عملی زندگی میں جس طرح ایک واضح، صاف اور متعین راہ اختیار کی تھی، ان کی تحریروں میں بھی وہی بات ملتی ہے، شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ اور ایک ہی شان نظر آتی ہے اور کہیں بھی کوئی ایسا موڑ نہیں ملتا، جہاں قلم نے اپنے حدود سے تجاوز کیا ہو اور ادائیگی مطلب کے لیے جن الفاظ کی ضرورت محسوس کی گئی ہے، وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مولانا جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اور جس مقصد کے لیے انھوں نے قلم کو جنبش دی، قاری اسے بہ خوبی سمجھ لیتا ہے، نہ کہیں کوئی گوشہ تشوہ تکمیل ہے، نہ کہیں شک کی کوئی گنجائش موجود ہے۔“ (۴)

”نقش حیات“ مولانا کی ایسی تصنیف ہے، جس میں ان کا اسلوب نگارش ایک خاص انداز میں جلوہ گر ہے، جو بہت ہی سنجیدہ اور جامع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک طرح کی پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے، ذاتی تفصیلات

وجزئیات عام طور پر ایسی ہوتی ہیں، جن سے بعض اوقات قاری اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، اس لیے اپنی باتوں کو پیش کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، اگر بات اختصار طلب ہے، تو اس کو طول دینے سے گریز کرنا چاہیے اور اگر وہ تفصیل چاہتی ہے تو اسے پھیلا کر لکھنا چاہیے، مولانا کے زود قلم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ خالص ذاتی معاملات کی جزئیات میں قاری کو زیادہ دیر نہیں الجھاتے، بلکہ ”نقش حیات“ میں پیش کیا گیا ان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ کسی نہ کسی خاص پس منظر کا حوالہ ہے، مثلاً جہاں پر انھوں نے اپنی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، وہ حصہ ان کی زندگی کے آئینے میں ہندوستان بھر کی سیاسی و اجتماعی حالات کی عکاسی کرنے والا ہے، انھیں اس بات پر کمال حاصل ہے کہ وہ اپنے مطلب کو اس واضح انداز میں سمجھا دیتے ہیں کہ قاری کے ذہن و دماغ میں یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے احساس و وجدان میں تحریک کی شمع روشن ہونے لگتی ہے۔

”نقش حیات“ کا ایک اور اہم گوشہ یہ ہے کہ مولانا نے اس میں پیش کیے گئے ہر واقعے کو دلائل، شواہد اور مستند اعداد و شمار سے مبرہن کیا ہے، چنانچہ جہاں آپ نے انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ اور ان کے ہاتھوں ہندوستان کی تجارت و معیشت و معاشرت کی تاراجی کو بیان کیا ہے، تو اسے مدلل کرنے کے لیے خود انگریز مؤرخین کی تصانیف سے حوالے پیش کیے ہیں، اس حصے کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس قلب و دماغ پر چھا جاتا ہے کہ صاحب کتاب کو تاریخ اور اس کے مآخذ سے حیرت ناک حد تک آگاہی ہے، مولانا جہاں مذہبی اور علمی معاملات میں جا بجا قرآنی آیات اور حدیثی استدلالات کا مضبوط سہارا پکڑتے ہیں اور ان کے ارشادات کی روشنی میں اپنے موقف اور نظریے کی قوت و وقعت پر برہان قائم کرتے ہیں، وہیں تاریخی واقعات کے تذکرے اور تجربے کے وقت اس فن کی اہمات کتب کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کسی بھی اعتبار سے شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو، بلکہ اس کا ذہن یقین کی سرور بخششوں سے سرشار ہو جائے، بقول محشر اعظمی:

”نقش حیات میں زیادہ تر انگریزی تصنیفات اور تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے، جن لوگوں نے ہندوستان پر ظلم کیا، اس کی دولت لوٹی اور پھر اپنے احسانات بھی جتائے اور ہر طرح اپنے عیب و جرم کو چھپانے کی کوشش کی، مولانا نے خود انہی کی تحریروں سے انھیں بے نقاب کر دیا اور ان کی پوری قلعی کھول کر رکھ دی اور یہ ثابت کر دیا کہ انگریز ظالم تھے، انھوں نے ہندوستان کا خون چوسنے میں اپنی خوں خواری کا پورا ثبوت دیا۔“ (۵)

خلاصہ یہ ہے کہ نقش حیات اپنے وقت کے ایک عظیم عالم و محدث، تحریک آزادی کے کفن بردوش مجاہد اور شب زندہ دار زاہد کی سیر حاصل داستانِ حیات بھی ہے، جو انتہائی سادگی کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی بیسویں صدی کے ہندوستان کے سیاسی و معاشرتی نشیب و فراز کی سچی اور حقیقت نما تصویر بھی۔

(۲) سیر مالٹا:..... یہ آپ کی اس وقت کی تصنیف ہے، جب آپ کا قلم جوان تھا، اس کے شروع کے صفحات میں

حضرت شیخ الہندؒ کے امتیازی اوصاف و شائل کو بہت ہی دل آویز اسلوب، انتہائی پرکشش طرز اور ایسے شیریں و حرا نگیز الفاظ میں بیان کیا ہے کہ قاری ان میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے، مثلاً شروع کے یہ چند جملے:

”اس نے بحر امدادی سے فیوض حاصل کیے، مگر ڈکار نہ لی، اس نے قافی نہریں پی ڈالیں، مگر ہضم نہ کر گیا، اس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا، مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا، دعویٰ نہ کیا، شطحیات نہ سنائیں، استقامت سے نہ ہٹا، شریعت کو نہ چھوڑا، عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا، مگر دم نہ مارا۔“ (۶)

چند صفحات تک تو یہی حرا نگیز اسلوب ہے مگر کتاب کے بقیہ حصے میں تحریر کا یہ رنگ نہیں ہے، اس کتاب میں مولانا نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کے نقطہ آغاز سے لے کر مکہ معظمہ کے سفر، وہاں تک پہنچنے اور پہنچنے کے بعد کی روداد، شریف مکہ کی آپ کے تئیں بدگمانی، پھر مکہ میں محبوس، وہاں سے مصر (جیزہ) کو روانگی اور مصر کی ایک ماہ کی اسارت کے بعد ۱۵ / فروری ۱۹۱۷ء (۲۳ / ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ) کو مالٹا کی روانگی، سفر کے احوال، مالٹا کی مدت محبوسیت میں شب و روز کی سرگرمیوں، حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلہ تدریس و ترجمہ قرآن پاک کے معمولات، حضرت کے دیگر رفقا مولانا حکیم نصرت حسینؒ، مولانا عزیز گلؒ، مولانا وحید احمدؒ اور حضرت مدنیؒ کے شبانہ روز کے اشتغالات، مولانا حکیم نصرت حسینؒ کے سانچہ ارتحال کی روداد، پھر تین سال کی اسارت کے بعد رہائی اور وہاں سے دیوبند تک آمد کی تفصیلات، بیان کی گئی ہیں، تہہ کے تحت کرنل اشرف بیگ، جو حکومت ترکی کے سربراہ آوردہ لوگوں میں سے تھے اور ان کی اپنی ایک علیحدہ فوج تھی، جو خلافت عثمانیہ کے لیے کام کرتی تھی، صنعائے یمن کے امام یحییٰ نے گورنر انور پاشا کو خط لکھا تھا کہ تم اشرف بیگ کو اپنی فوج کے ساتھ بھیج دو، میں اپنی اور ان کی فوج کے ساتھ مل کر شریف حسین (جس نے خلافت عثمانیہ سے بغاوت کی اور پورے حجاز میں ترکی حکومت کے خلاف احتجاج کا طوفان برپا کر کے وہاں سے اس کا خاتمہ کروا دیا) پر چڑھائی کروں، تاکہ اس سے اس کی اسلام دشمنی و انگریز وفاداری کا بدلہ لیا جائے، چنانچہ انور پاشا نے کرنل اشرف کو بھیج دیا، لیکن مدینے میں ہی انھیں اور ان کی فوج کو شریف حسین کے لوگوں نے دھریا دو دنوں کے درمیان زبردست معرکہ راکھی ہوئی، بالآخر کرنل اشرف کی فوج پسپا ہو گئی اور انھیں گرفتار کر کے اسی جماعت کے ساتھ، جس میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقا تھے، مالٹا بھیج دیا گیا، مولانا مدنیؒ نے ان کا، ان کے خاندان کا اور مالٹا کے قیام کے دوران ان کے شریفانہ اخلاق و معاملات اور حضرت شیخ الہندؒ کے تئیں ان کے غیر معمولی جذبہ احترام و تکریم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، کتاب کے اخیر میں تقریباً سات صفحات میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا بھی اجمالی تذکرہ شامل ہے، تذکرہ نویس محمد مبین خطیب ہیں۔

(۳) مکتوبات شیخ الاسلامؒ: یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ کے خطوط کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے معتقد و معتمد خصوصی مولانا نجم الدین اصلاحی نے مرتب کیا ہے، یہ مکتوبات متنوع معلومات کا گنج شاگاہ ہیں اور ان سے آپ کی بلند و بالا شخصیت بھی گھر کر سامنے آتی ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ذات، اسلامی فضائل اور دینی

اوصاف و کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے اپنے دور میں ایک بے مثال شخصیت کی حیثیت رکھتی تھی، آپ اسلامی و عربی علوم و فنون، سلوک و معرفت اور تصوف و سلوک کے ایک ناپیدا کنار سمندر تھے، قدرت نے آپ کے اندر علم و عمل کی جملہ خوبیاں جمع کر دی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے مکتوبات میں ان کی جھلکیاں بھرپور انداز میں پائی جاتی ہیں، یہ خطوط وہ ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں اپنے مریدین، معتقدین، دوستوں، عزیزوں، رشتے داروں اور شاگردوں کو لکھے ہیں، ان خطوط کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک حصہ تو ان خطوط کا ہے، جن میں علمی، دینی یا معاشرتی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، آپ کے دوست، اعزہ اور نیاز مند اکثر کسی نہ کسی مسئلے میں آپ کی رہنمائی کے خواہاں ہوتے اور آپ کو خط لکھا کرتے تھے، آپ ان کے خطوط کو اولاً انتہائی توجہ سے پڑھتے اور پھر حسب حال انھیں ان کے سوالات کے جوابات لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے، آپ کے زیادہ تر خطوط ایسے ہی ہیں اور یہ بات بلا کسی شبہ کے کہی جاسکتی ہے کہ وہ آپ کی علمیت اور وسعت نظری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ان خطوط کو دیکھ کر کوئی بھی انسان آپ کی معلومات کی کثرت اور علم و فضل کی بے کرانی کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ان میں تفسیر و حدیث، فقہ و فتاویٰ، علم کلام و عقائد، سلوک و معرفت، تاریخ و سیر اور اقتصادیات و اخلاقیات کے ٹھوس حقائق پر سیر حاصل اور بصیرت افروز گفتگو کی گئی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر خطوط دورانِ سفر یا ایامِ اسیری میں انتہائی جگت میں اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں مگر اس کے باوصف وہ مستقل مضمون اور علمی و تحقیقی شد پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ہم مولانا مدنی کے مکتوبات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذہانت بھی مولانا آزاد کے ہم قدم ہے، کسی بھی مسئلے پر لکھتے وقت آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا ہے، مشائخ اور اولیائے کرام کے ملفوظات کو انہی کے الفاظ میں بیان کیا ہے، جہاں کہیں کتابوں کے حوالے آئے ہیں، وہاں ان کی عبارتیں انہی کے الفاظ میں نقل کی ہیں اور بعض اوقات ان کے صفحے تک نوٹ کرتے چلے گئے ہیں، اسی طرح اشعار کے استعمال میں بھی مولانا مدنی نہ صرف مولانا آزاد کے شریک ہیں؛ بلکہ یک گونہ ان پر فوقیت بھی رکھتے ہیں، مولانا مدنی کے خطوط میں فارسی کے ساتھ اردو کے بہترین اشعار اور غزل کے اشعار بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں اور صرف اسی قدر نہیں، بلکہ ہندی کے بھی نرم و نازک اور ریلے اشعار خاصی تعداد میں ان کے خطوط میں موجود ہیں۔

مجموعہ مکتوبات کے کچھ خطوط ایسے بھی ہیں، جو بالکل ذاتی اور مخفی نوعیت کے ہیں، ان میں جہاں اس وقت کے سیاسی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور مولانا نے اپنے سیاسی نظریات کی وضاحت کی ہے، ہو سکتا ہے ہر پڑھنے والا اس سے منفق نہ ہو، کہ یہ ممکن بھی نہیں؛ مگر پھر بھی ان کی اس اہمیت سے مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے زمانے کے ”شیخ الاسلام“ کے افکار سیاسی کے بلا واسطہ ترجمان ہیں اور تاریخی دستاویز بھی۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ خطوط کسی بھی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں، جس میں اس کا اصلی چہرہ نظر آتا ہے، کوئی بھی

آدمی کسی کی خوبیوں اور خرابیوں سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو، تو وہ اس کے خطوط کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی بھی فیصلہ کن پوزیشن تک پہنچ سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ وہ تحریر ہے، جو بغیر کسی بناوٹ اور سجاوٹ کے لکھی جاتی ہے؛ کیوں کہ خطوط نہ تو اظہارِ علم کا ذریعہ ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنی ذات کو بلند آہنگ طریقے سے پیش کرنے کا وسیلہ، بلکہ یہ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملات کے تئیں خطوط نگار کی بے ساختہ رائے کا اظہار ہوتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ خطوط کے آئینے میں کوئی بھی شخصیت اپنے اصلی خط و خال سمیت منعکس ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے بھی اگر ”مکتوبات شیخ الاسلام“ مطالعہ کیا جائے، تو پڑھنے والا کتب نگار کی مقناطیسی شخصیت کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ بے ساختہ طور پر خود کو ان سے قریب ہوتا ہوا، ان کی جانب کھینچتا ہوا اور ان سے متاثر ہوتا ہوا پائے گا۔

جہاں تک ان خطوط کی زبان کا تعلق ہے، تو وہ عموماً انتہائی سادہ، رواں، سلیس، ہلکھلتے اور ہر نوع کی پیچیدگی سے مبرا ہے، البتہ جہاں آپ نے کسی خاص علمی و باطنی مسئلے کی وضاحت کی ہے، وہاں قدرے خشکی پائی جاتی ہے، جس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں، کیوں کہ وہ مکتوب جس میں خالص علمی، اخلاقی اور باطنی مباحث ہوں، انھیں مکمل طور پر ادبی آہنگ میں نہیں ڈھالا جاسکتا، کہ اس سے مکتوب نگار کے مقصود اصلی کے فوت ہو جانے کا دھڑکا پیدا ہو جائے گا اور اصل بات، جو وہ مکتوب الیہ تک پہنچانا چاہتا ہے، الفاظ کی رنگینیوں میں کھو جائے گی، محشر اعظمی نے غالب کے خطوط اور مولانا آزاد کے غبارِ خاطر سے مکتوبات شیخ الاسلام کا موازنہ کرتے ہوئے عمدہ تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”مکتوبات کا کون سا اسلوب پسندیدہ ہے اور کون سا نہیں، یہ تو اپنے اپنے ذوق کی باتیں ہیں، کسی نے غالب کے خطوط کو ان کی سادگی، بے تکلفی اور ظرافت کی وجہ سے پسند کیا، کسی نے مولانا آزاد کی غبارِ خاطر اس وجہ سے پڑھی کہ اس میں ایک خاص قسم کی چاشنی ہے، الفاظ کی سجاوٹ ہے، جملوں کی خوب صورت ترکیب ہے اور خیالات کی رنگینی کے ساتھ معمولات کا دریا موج زن ہے اور مکتوبات شیخ الاسلام کو اس وجہ سے پسند کیا جاسکتا ہے کہ اس میں خالص علمی و روحانی باتیں ہیں، ایسے خطوط جن میں صرف زبان و بیان کی خوبی ہو اور ان میں کوئی بنیادی خوبی نہ ہو، ان کے مطالعے سے قاری کو ایک لذت تول سکتی ہے لیکن اس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، ہمارے اس نقطہ نظر پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں، پھر خطوط و مکاتیب میں اس کا کیا سوال؟ تو یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے اور ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے، لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم دوسروں کے مکتوب کیوں پڑھتے ہیں؟ اور کسی کے مکتوب پڑھتے وقت ہمارے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے؟ وقت اور دماغ صرف کرنے کے بعد ہمیں کیا ملتا ہے؟ دوسروں کے مکتوب ہم اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان سے ہمیں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو، جو تحریر ہمارا وقت اور دماغ لے کر بھی ہمیں کچھ نہ دے سکے، تو اسے

پڑھنے کا کیا حاصل؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خطوط و کتابت الفاظ و تراکیب کا حسین مجموعہ تو ہوں، ساتھ ہی ان میں افادیت بھی ہونا چاہیے، مکتوبات شیخ الاسلام میں بیش تر مکتوبات ایسے ہیں، جو تعلیم و ہدایت کے آئینہ دار ہیں اور کسی نہ کسی کے استبصار پر لکھے گئے ہیں، وہ خطوط، جن میں علمی، اخلاقی، فقہی اور باطنی مباحث ہوں، انھیں اس سے زیادہ رنگ نہیں دیا جاسکتا۔ (۷)

ان مکتوبات سے منتخب کر کے دو دیگر مجموعے بھی مرتب کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک ”معارف و حقائق“ ہے، جسے حضرت مدنیؒ کے داماد اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے سابق مہتمم مولانا رشید الدین حمیدی نے مرتب کیا ہے، اس میں تصوف و سلوک، فقہ، علمی حقائق، عملیات، اذکار و ادعیہ، تعبیر الرؤیا، تاریخ، سیاسیات اور دیگر متفرق موضوعات سے متعلق منتخب تحریروں کو یک جا کیا گیا ہے اور دوسرا مجموعہ ”قادی شیخ الاسلام“ ہے اور اس میں خالص فقہی تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، اس کے جامع و مرتب حضرت مدنیؒ کے نو اسے ممتاز عالم دین و صاحب قلم مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ العالی ہیں۔

(۴) متحدہ قومیت اور اسلام: ۸ / جنوری ۱۹۳۸ / کی شب میں صدر بازار دہلی کے ایک جلسے میں مولانا مدنیؒ نے تقریر فرمائی، جس کا بڑا حصہ ۹ / جنوری کے روزنامہ ”تیج“ اور ”انصاری“ دہلی میں شائع ہوا، اس جلسے میں روزنامہ ”الامان“ (اس کے مدیر مولانا مظہر الدین شیر کوٹی فاضل دیوبند تھے، جو بچے مسلم لگے تھے) کا رپورٹر بھی موجود تھا، اس نے اپنے حساب سے اس تقریر کی رپورٹنگ کی اور اس کے بعد اسے ”الامان“ میں شائع کر دیا گیا، پھر اس سے ”زمیندار“ اور ”انقلاب“ لاہور نے بھی نقل کیا اور یہ جملہ مولانا سے منسوب کر دیا کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چون کہ اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں؛ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔

ادھر علامہ اقبال، جو اپنے وقت کے بے مثال اسلامی شاعر اور مفکر تھے اور وہ بھی ایک عرصے تک قومی نظریے کی حمایت میں لکھتے، بولتے اور اس کی ہم نوائی کرتے رہے تھے، ان کی مشہور نظم ”ہمالیہ“ اور ”ترانہ ہندی“ اسی دور کی یادگار ہیں؛ مگر جب انھوں نے یورپ کا دورہ کیا اور وہاں کی تہذیب، طریقہ زندگی، سیاسی نظریات و افکار کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے، تو ان کا سیاسی نقطہ خیال بدل چکا تھا، انھوں نے واپسی کے بعد قومی راہ نماؤں کو خطوط لکھے، اخبارات میں اپنے مضامین شائع کروائے اور مسلمانوں کو قومی نظریے پر ابھارنا شروع کر دیا اور چون کہ اس وقت مسلم لیگ کا اساسی نظریہ یہی تھا، اس لیے علامہ اقبال اسی کی حمایت و موافقت میں جت گئے، انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۳۰ / کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے شمال مغربی ہندوستان کی علیحدگی کی تجویز پیش کی اور اسے وطن کی معاشرتی مشکلات اور ہندو مسلم منافرتوں کا حل بتلایا، اس کے بعد ان کے افکار کی ساری توانائی اور تخیلات کی تمام تر بلند پروازیاں اسی خیال کو تقویت پہنچانے اور قوم پرست علماء اور لیڈران پر پھیتیاں کسے میں صرف ہوئیں۔

(جاری ہے)